**DARYAFT: ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885**
Volume 15, Issue 02,(Dec 2023): DOI #https://doi.org/10.52015/daryaft.v15i02.345

**ڈاکٹر شاذیہ اکبر**
سینئر ماہرِ مضمون اردو، گورنمنٹ قائد اعظم اکیڈمی فار ایجوکیشنل ڈویلپمنٹ، اسلام آباد

# صادق ہدایت کے منتخب افسانوں میں خواہشِ مرگ

**Dr. Shazia Akbar**
Senior Subject Specialist  Urdu, Govt. Quaid-e-Azam Academy for Educational Development, Islamabad

# Desire of Death in  Sadiq Hidayat,s  selected short stories

***ABSTRACT***

Sadiq Hidayat is renown Persian writer. He is one of the few Iranian Persian writers whose many fictions have been translated into Urdu. He introduced modern techniques in Persian fiction. In some of his stories Sadiq Hidayat has presented the subject of death from different angles. somewhere in the human being there is a desire to escape from his problems in the death. This desire of death can be found in some of his short stories because he also committed suicide by suffocating poison gas on April 9, 1951 in Paris. This research article is based on an effort to find different aspects of sadness and sensitivity in his Urdu translated short stories. He has skillfully made the individual and collective problems and psychological confusions of people in his fiction. He also tried to reflect the lives of depressed people and their emotional downfalls. In his fiction there is a noticeable deep observation of marital attitudes depression -He has also mentioned the life of animals and their death. The death, as solution of problems can be seen especially in his stories. This is an analytical research study, based on Urdu translations of his fiction. We can observe that death; especially suicide is very favorite subject of his characters.

**Keywords:** *depression, attraction of death, Persian fiction of Sadiq Hidayat*

صادق ہدایت بیسویں صدی کے معروف فارسی افسانہ نگاروں میں شامل ہیں اور ان کا افسانہ جدید افسانے کے باب میں شمار کیا جاتا ہے ۔ ان کے اٹھارہ افسانوں کے تراجم اردو زبان میں ہو چکے ہیں۔ جو "سگِ آوارہ" کے نام سے شائع ہوئے جن کے مترجم بذل حق محمود تھے۔ ان ترجمہ شدہ افسانوں میں ان کے معروف افسانے جیسا کہ "سگِ آوارہ"، "داش آکل"، "حاجی مراد"، "آبجی خانم"، "خون کے تین قطرے" اور "زندہ بگور" شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے منتخب ایرانی ادب پاروں کا اردو ترجمہ کیا جس میں صادق ہدایت کے چند افسانے "پسِ پردہ گڑیا (عروسک پشت پردہ) اور" عشق اولڑی (داش آکل) بھی شامل تھے۔ [۱]

**Received: 8th Aug, 2023  |  Accepted: 1st Dec, 2023  | Available Online: 30th Dec,2023**

DARYAFT, Department of Urdu Language & Literature, NUML, Islamabad.
OPEN ACCESS  CC BY NC
***This work*** *is licensed under a* **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)**

صادق ہدایت کے افسانوی کرداروں کے مزاج میں اداسی اور حساسیت کے پہلو بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ وطن پرستی کا جذبہ، اپنی روایات اور تہذیب وثقافت سے لگاؤ بھی ان کے ہاں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ انسانوں کے انفرادی واجتماعی مسائل اور نفسیاتی الجھنوں کو بڑی مہارت سے انھوں نے اپنی افسانہ نگاری کا موضوع بنایا۔ خواتین کی زندگی اور ان کے جذباتی نشیب وفراز، ان کے ازدواجی مسائل کا گہرا مشاہدہ رکھتے تھے۔ جانوروں کا تذکرہ خصوصاً ان کے افسانوں میں کافی نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ انھیں پرندوں اور جانوروں سے کافی محبت تھی ان کے کئی افسانوں میں جانوروں اور پرندوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ۔"سگ آوارہ" نہ صرف صادق ہدایت کا معروف افسانہ ہے بلکہ ان کے بذل حق محمود کے ترجمہ کردہ افسانوی مجموعے کا عنوان بھی ہے۔ اس میں سے "سگ آوارہ"، "حاجی مراد"، "آبجی خانم"، "داش آکل" اور "مجسمہ" ایسے افسانے ہیں جو صادق ہدایت کے سب سے زیادہ مقبول افسانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ "سگِ آوارہ" کا دیباچہ مرزا ادیب نے لکھا اور کہتے ہیں: "افسانے کے ملکی وغیر ملکی ناقد صادق ہدایت کو کم وبیش وہی اہمیت دیتے ہیں جو فرانس کے موپساں کو حاصل ہے۔"(۲)

افسانہ نہ صرف افسانہ نگار کی شخصی سوچ، تخیل اور رجحان کی غمازی کررہا ہوتا ہے بلکہ اس میں موجود کردار وواقعات ادیب کی فکر کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ اس کا قلم کسی عدسے کا کام کرتا ہے جو اپنے مخصوص زاویے سے قاری تک مختلف پوشیدہ پہلو دکھانے پر قادر ہوتا ہے۔ زندگی کے بے شمار موضوعات ہیں جو صادق ہدایت جیسے ہر تخلیقی ذہن کے لئے فکر و احساس کے نئے زاویے فراہم کرتے ہیں مگر ہر نابغے کے کچھ شخصی مسائل بھی ہوا کرتے ہیں۔ جس کی آنکھ میں جتنی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے وہ اس قدر تیزی سے ان مناظرِ حیات سے آگے نکل جایا کرتا ہے۔ صادق ہدایت کی آنکھ اور فکری عدسہ بھی کچھ ایسا ہی تھا مرزا ادیب لکھتے ہیں:

"صادق ہدایت کی سب سے بڑی اساسی خوبی یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کی المناکیوں کو ان کے صحیح تناظر میں پیش کردیتا ہے۔"(۳)

صادق ہدایت کے افسانوں میں موت کی خواہش کو سمجھنے کے لیے ان کی ذاتی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔ انھوں نے مجرد زندگی گزاری اور ان کا پہلا افسانہ ۱۹۲۳ء میں چھپا تھا۔ انھوں نے ۲۳ سال تک قلم وکاغذ سے رشتہ استوار رکھا اور افسانہ نگاری بلکہ ڈرامہ نگاری، سفر نامہ اور تحقیقی مقالات کے علاوہ تراجم کے میدان میں بھی شناخت بنائی۔ باقاعدہ طور پر جم کر کوئی ملازمت یا کاروبار نہ کیا۔ وزارت خارجہ میں کچھ عرصہ ملازمت کی۔ چند برس "دانش گاہ ہنرہائے زیبا" میں ایک مترجم کے طور پر وابستہ رہے فطرتاً آزاد منش انسان اور شدید وطن پرست تھے مجتبیٰ مینوی کہتے ہیں:

"ہم سب تعصب کے خلاف لڑتے تھے اور آزادی کے حصول کے لیے کوشاں تھے اور ہدایت ہمارے دائرے کا مرکز تھے"(۴)

ان کے افسانوں میں مایوسی یا موت کی خواہش ان کی ذاتی زندگی اور ملکی حالات کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ اُن دنوں کے سیاسی حالات کافی خراب تھے۔ تیز رفتار زندگی کے ساتھ بھاگنے والے صادق ہدایت کی سیماب صفتی نے اسے زندگی سے

مایوس کر دیا تھا۔ اپنے افکار و تاثرات کے ہیولوں کو افسانوی کرداروں میں ڈھالنے والا لکھاری زندگی کے پردے کی یکسانیت سے اکتانے لگا تھا۔ وہ افسانوی ادب سے وابستگی کے باوجود خود کو کسی فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

صادق ہدایت کا شمار بھی ان ادبا و شعرا میں ہوتا ہے جو موت کے فلسفے میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ زندگی کی معنویت اور اس کے حقائق کو اپنے مخصوص نظریات کے تناظر میں پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موت کی پراسرایت اور خودکشی سے دلچسپی کے موضوع پر ان کے مترجم بذل حق محمود ان کے نظریاتِ موت و حیات کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دراصل وہ ایک حقیقت پسند انسان ہے جو اپنے آپ کو فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا۔ اپنے ایک افسانے

"گجستہ وژ" میں خود کہتا ہے "ہمیں فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے زندگی واقعی ایک زندان ہے جس میں طرح طرح کے قیدی ہیں"(۵)

ان قنوطیت پسندانہ خیالات کے غلبے میں صادق ہدایت نے ۱۹۵۱ء میں اپنی عمر کے ۴۸ ویں سال خودکشی کر لی اور پیرس کے ایک کمرے میں خود کو زہریلی گیس کے حوالے کر دیا۔ اب ان کے فنِ افسانہ نگاری پر ایک نظر ڈالتے ہیں ان کی تحریر کا اسلوب شگفتہ تھا روزمرہ اور محاورات کا بڑی برجستگی و مہارت سے استعمال کرتے تھے۔ وسیع المطالعہ شخص ہونے کے باعث ان کو ایرانی تہذیب کے علاوہ مغربی و مشرقی تہذیبوں سے بھی کافی آگاہی حاصل تھی۔ ان کا ذخیرہ الفاظ کافی وسیع تھا ایرانی ادب میں افسانہ نگاری کے حوالے سے وہ نمایاں ترین افسانہ نگار شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے ایرانی تہذیب کو دنیا سے روشناس کروایا۔ وہ جدید استعاراتی انداز بھی اختیار کرتے اور نئی نئی اصطلاحات بھی وضع کرتے تھے۔

ان کے افسانوں میں کرداروں کی نسبت سے زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ جہاں ان کے مشہور افسانوں "سگِ آوارہ"، "داش آکل"، "آبجی خانم" اور "حاجی مراد" وغیرہ کو مقبولیت عام ان کی سادہ زبان کے استعمال سے بھی ملی اور ہر سطح کے قاری نے اس سے حظ اٹھایا۔ وہیں وہ ہمیں وہ اپنے ناول "بوف کور" کے داستانوی اسلوب سے چونکا بھی دیتے ہیں۔ "بوف کور" صادق ہدایت کا شاہکار نمونہ فن بھی شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف انسانی نفسیات بلکہ حیوانی نفسیات پر مبنی موضوعات پر بھی افسانے رقم کیے۔ موضوعاتی جدت طرازی ان کی تحریروں کا خاصہ رہی۔ ان کی قنوطیت پسندی کی بڑی وجہ ان کے عہد کے سیاسی و معاشرتی حالات تھے۔ زمانی و مکانی شورشوں کہ باعث اہل قلم پر عائد پابندیاں اور دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے ان کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے اور وہ تنہائی کا شکار ہو گئے۔

جب انھوں نے لکھنا کم کر دیا تو ان کی قنوطیت و افسردگی کا حصار مزید تنگ ہوتا چلا گیا۔ وہ اس افسردگی سے باہر نہ آسکے اور پھر بالا آخر اپنے آپ کو موت کی چنیدہ آغوش کے سپرد کر دیا۔ صرف صادق ہدایت ہی کا کیا مذکور بہت سے شعراء اور ادباء نے موت کو خود گلے لگایا اور خودکشی کر لی۔ اردو ادب میں بھی شکیب جلالی، سارا شگفتہ، ثروت حسین جیسے لوگوں کی مثالیں موجود ہیں۔ موت کی خواہش وہی رکھتا ہے جو زندگی سے ناآسودہ ہوتا ہے۔ موت زندگی کے سکے کا دوسرا رخ ہے اور جو لوگ زندگی سے تھک جاتے ہیں وہ یہ آرزو پالنے لگتے ہیں۔ اس آرزو کو اپنی سوچ کی غذا سے اس قدر توانا کر دیتے ہیں کہ پھر خود

بھی اسکے سامنے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ صادق ہدایت نے بھی موت کی توانا آرزو کے آگے ہار مان لی اور زہریلی گیس میں گھٹ کر جان دے دی۔

ان کے علاوہ کئی ایک ایسے معروف عالمی ادیبوں میں سیفو سے لے کر ارنسٹ ہیمنگوے Ennest Hamingway سلویا پلاتھ Sylvia plath، ورجینا وولف Virgina woolf ہارٹ کرین Hart Crane، رضا کمال اور فرخی یزدی کے نام شامل ہیں جنھوں نے زندگی کی متاع کو اپنے ہاتھوں موت کے بیکراں سمندر کے حوالے کر دیا۔ صادق ہدایت نے موت کے لیے زہریلی گیس کے طریقے پر عمل کیا بہت سے خودکشی کرنے والوں نے رسی کے پھندے کو ترجیح دی، بہت سوں نے اپنی مایوسی اور تنہائیوں کے سکوت کو چیختی چنگارتی ریل سے بدل ڈالا اور کچھ نے آگ یا زہر کا انتخاب کیا۔ پستول کی گولی اور نیند کی گولیوں نے بھی بہت سے ادبا کو زندگی کی مضبوط گرفت سے نجات دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں جیسے:

> "Suicide is the act of intentionally causing one's own death. Mental disorders (including depression, bipolar disorder , schizophrenia, personality disorders, anxiety disorders), physical disorders (such as chronic fatigue syndrome), and substance abuse (including alcoholism and the use of and withdrawal from benzodiazepines) are riskfactors"(6)

ترجمہ: خودکشی جان بوجھ کر اپنی موت کا سبب بننا ہے۔ ذہنی عوارض بشمول ڈپریشن، بینک ڈپریشن، شقاق دماغی یعنی شیزوفرینیا، شخصی الجھاؤ، اضطراب، جسمانی عوارض جیسے دائمی تھکاوٹ، بشمول شراب نوشی اور نشہ آور اشیا کا استعمال اور پھر ان سے دست برداری خطرے کے عوامل ہیں۔

صادق ہدایت کا زیادہ وقت شراب خانوں اور قہوہ خانوں کی محافل میں گزرتا تھا۔ اس کے اکثر افسانوں کا انجام بھی موت پر ہوتا ہے۔ ان کے کردار اپنی نفسیاتی کشمکش میں قاری کو شریک کرتے ہوئے اپنی موت کا جواز گھڑتے ہیں اور افسانے کا انجام سوگوار ہو جاتا ہے۔ صادق ہدایت نے بھی اپنے چاہنے والوں کے گلے میں زہریلی گیس کی کڑواہٹ چھوڑ کر موت کو گلے لگا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ خودکشی کے لیے کاربن مونو آکسائیڈ کا استعمال کئی بار تاریخ میں کیا گیا۔ کیونکہ یہ زود اثر ہے اور اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کے خون کے خلیے آہستہ آہستہ منجمد ہو رہے ہیں۔ اور جب اس کی چھٹی حس خبردار کر دیتی ہے کہ کوئی چیز گلے میں اٹک رہی ہے تب تک گیس اپنا کام دکھا چکی ہوتی ہے۔(۷)

صادق ہدایت کے جن چند افسانوں کے اردو تراجم میسر آئے ہیں ان میں "آبجی خانم"، "داش آکل"، "سگِ آوارہ، اور "خون کے تین قطرے" کا اختتام کرداروں کی موت پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ "حاجی مراد" جیسے افسانے بھی موجود ہیں جن میں ناخوشگوار اختتامیہ دکھائی دیتا ہے۔ "داش آکل" صادق ہدایت کے چند نمایاں افسانوں میں سے ایک ہے۔ یہ ایسے

امیر زادے کی کہانی ہے جو زندگی کے چالیس سال بہت بے فکری عیاشی، من مانی اور بے نیازی سے گزارتا ہے۔ دوستوں کی محفل میں زیادہ وقت گزارتا ہے۔ اپنی زیادہ تر دولت اس نے رفاعی کاموں اور غربا میں تقسیم کر دی تھی۔ سوائے شراب نوشی کے اس میں کوئی خاص قابل ذکر برائی نہ تھی۔ خواتین سے بھی بہت فاصلے اور احترام سے پیش آیا کرتا تھا۔ ایک محلے کے بدمعاش رستم سے اکثر اس کی تُوتُو میں میں ہو جایا کرتی تھی۔ "داش آکل" کی زندگی کے معمولات میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آتی ہے جب ایک دن وہ قہوہ خانے میں بیٹھا ہوتا ہے اور ایک آدمی آ کر اس سے کہتا ہے:

حاجی صمد مرحوم شد، داش آکل سرش بلند کرد و گفت،

خدا یابیا مرزوش، مگر شمانی دانید وصیت کردہ؟

منکہ مردہ خور نسیم بر مردہ خورھارا خبر کن

آخر شمارا کیل، وصی خودش کردہ

ترجمہ: حاجی صمد چل بسا، انا اللہ رالیہ راجعون، پر وہ وصیت کر گیا تو جا کر مردہ خوروں کو خبر کر دو، میں مردہ خور نہیں ہوں۔ وہ تمہیں اپنا وصی اور وکیل مقرر کر گیا ہے۔ (۸)

یہاں سے اس کی زندگی میں وہ تبدیل آتی ہے جسے عشق کہتے ہیں جب داش آکل کی نظر اپنے مرحوم دوست کی چودہ سالہ بیٹی مرجان پر پڑتی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ خاموشی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ لوگوں سے ملنا ملانا چھوڑ کر بس شراب پینا اور تنہائی میں طوطے سے باتیں کرنا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ تادم مرگ وہ اپنی محبت کا راز سینے میں چھپا کر رکھتا ہے اور مرتے وقت اپنے اکلوتے ساتھی طوطے کو مرحوم دوست کے بیٹے کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ طوطا گھر لے جا کر بہن کو دے دیتا ہے اور طوطا بولنے لگتا ہے۔

"مرجان!۔۔۔ مرجان! تو نے مجھے مار دیا۔۔۔ میں کس سے کہوں مرجان۔۔۔۔ تیرے عشق نے مجھے مار ڈالا۔۔۔ مرجان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔" (۹)

صادق ہدایت کو جدید افسانہ نگاری کے حوالے سے فارسی ادب کا نمایاں لکھاری سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تحریروں میں کوئی ایک مخصوص فلسفہ یا نکتہء نظر نہیں پایا جاتا۔ اس کو یہ ہنر حاصل ہے کہ وہ اپنی افسانوی کرداروں کی نفسیاتی کشمکش کو بڑی مہارت سے پیش کرتا ہے اور مثبت و منفی دونوں قسم کے کرداروں کو یکساں خوبی سے قاری کے ذہن پر منتقل کرتا ہے۔ ہر کردار کی اندرونی کشمکش، ان کے فکری زاویے اپنے قلم کی گرفت میں لے آتا ہے۔ صادق ہدایت قنوطیت پسند لکھاری تھا۔ اس کے ہاں ہمیں اداسی و محرومی کے علاوہ طنز کی کاٹ نظر آتی ہے۔ وہ زندگی کے سفاک حقائق کو اپنے لفظوں کے پردوں کے میں چھپا کر پیش کرتا ہے۔ ایرانی افسانہ نگاری کی تاریخ میں وہ جدید افسانہ نگار کے طور پر پہچانا جاتا ہے جو واقعیت نگاری میں اپنی مثال آپ ہے۔ مرزا ادیب لکھتے ہیں: "صادق ہدایت کی سب سے بڑی اور اساسی خصوصیت یہ کہ وہ انسانی زندگی کی المناکیوں کو ان کے اصل تناظر میں پیش کرتا ہے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے زندگی کی ساری تلخیوں کو لفظوں کے پیچ و خم میں انڈیل دیا ہے۔" (۱۰)

افسانہ "تین قطرے خون" بھی صادق ہدایت کے نمایاں افسانوں میں شمار کیا جاتا ہے جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ یہ افسانہ اس لیے بھی مشہور ہے کہ مصنف کے ان چند افسانوں میں شمار ہوتا ہے جس میں جانوروں اور پرندوں کا مرکزی کردار شامل ہے۔ صادق ہدایت کی افسانہ نگاری میں جانوروں اور پرندوں کو بھی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اسی سلسلے کا نمایاں افسانہ ہے جو بلیوں کی زندگی اور ان کے جذبات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس میں ان کی جنسی جبلت اور طرز حیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں بھی مرکزی کردار کے شدید نفسیاتی دباؤ اور کشمکش کو دکھایا گیا ہے۔ یہاں بھی موت کی سیاہی رات کی تاریکی کو گہرا کر دیتی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار "سیاوش" ہے جو کسی "گل بقالی" نامی بلی کو پالتا ہے اور بلی بھی اس سے بہت زیادہ مانوس ہوتی ہے۔ یہ بلی جس بلے کو اپنے ساتھی کے طور پر منتخب کرتی ہے اس کے ساتھ صبح وشام بیٹھی چہلیں کرتی ہے اور گھر کے کے باغیچے میں وہ اور اس کا جنگلی بلا اکثر کھیلتے کودتے ہیں۔ سیاوش سے ان کا شغل برداشت نہیں ہوتا اور وہ اس بلے کو گولی مار دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کی بلی دو دن، دو راتیں مسلسل اس کی لاش کے پاس بیٹھی بین کرتی رہتی ہے پھر کہیں چلی جاتی ہے۔ سیاوش کا وہم ہے کہ اسی مردہ بلے کی روح روز اسی باغیچے میں آتی ہے، اسکی دو چمکیلی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی ہیں۔ سیاوش ان کا نشانہ لیتا ہے اور گولی چلا دیتا ہے۔ سیاوش کے گھر والے اس کو بیمار قرار دیتے رہتے ہیں کہ وہ شدید نفسیاتی دباؤ کا شکار ہے۔ اس افسانے میں صادق ہدایت کا بلیوں کی عادات ونفسیات کا گہرا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ کہانی کی بنت مضبوط ہے، تخلیل جاندار ہے مگر موت، بیماری، نفسیاتی دباؤ، الجھن، اضطراب، تجسس اور اداسی وتنہائی کے مناظر اس کہانی کی پر اسراریت کو بڑھا دیتے ہیں۔ سیاو ش جب کہتا ہے:

> "وہ بلا ہر روز آتا ہے اسی طرح بھیانک نالے بلند کرتا ہے آج میں گھر میں اکیلا تھا ایسے میں پھر اس بلے کی آواز سنائی دی اور میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اندازہ لگا کر پھر گولی چلائی اور وہ آنکھیں غائب ہو گئیں۔"(۱۱)

اس افسانے کا مرکزی کردار اپنے کیے پر اس قدر نادم ہے کہ اس نے ایک جاندار کی جان لی ہے۔ وہ اپنی اس خطا کے باعث شدید احساس جرم میں گرفتار نظر آتا ہے۔ اب اس کی ذہنی حالت ایسی ہو چکی ہے کی کہ اسے اس بلے کی آنکھیں اسی صنوبر کے درخت کے نیچے نظر آتی ہیں۔ جس کا نشانہ لے کر وہ گولی چلا دیتا ہے اور اس کے بعد اسے تین تازہ خون کے قطرے بھی زمین پر نظر آتے ہیں۔ صادق ہدایت اس افسانے کے کردار کی نفسیاتی کیفیت کو بڑی مہارت سے بیان کرنے میں کامیاب نظر آتا ہے۔

"آبجی خانم" ایک اور ایسا ہے افسانہ ہے جس کا اختتامیہ موت، بلکہ خودکشی ہے۔ یہ مصنف کے ذاتی رجحان اور اس کی ذہنی وجذباتی کیفیات ہیں۔ یہ افسانہ بھی اس کے نفسیاتی ومعاشرتی افسانوں کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے۔ "آبجی خانم" ایک ایسی نوجوان لڑکی کا نام ہے جس کی چھوٹی بہن ماہ رخ انتہائی خوش شکل اور خوب سیرت ہے اور آبجی خانم ایک بدصورت، بد مزاج اور جھگڑالو لڑکی ہے۔ کچھ اپنی بد سلیقگی، بدتمیزی اور بدصورتی کے باعث وہ اکثر لوگوں کی تنقید کا نشانہ بنتی ہے جبکہ اس کی

چھوٹی بہن کی سب لوگ تعریف کرتے ہیں۔ آبجی خانم کا اکثر و بیشتر اپنی ماں سے بھی جھگڑا رہتا ہے جو اس کو بڑا بھلا کہتی اور کوسنے دیتی ہے اور کہتی ہے:

"پھوٹے بھاگ جو اس کم بخت کو جنم دیا، اب میں اس کا کیا کروں ایسی بدصورت کو کون لے گا۔ گھر میں بیٹھی بوڑھی ہو جائے گی اور مرے گی۔ ہاں سچ ہی تو کہتی ہوں کہ نہ مال نہ جمال کون شامت گھیرا اس بلا کو پیچھے لگائے گا۔"(۱۲)

یہ افسانہ چار خواتین کے کرداروں کے گرد گھومتا ہے۔ اگرچہ مرکزی کردار "آبجی خانم" ہی ہے جو ہر طرف سے مایوس ہو کر عبادات کی طرف راغب ہوتی ہے مگر عبادات کے پیچھے بھی اس کا مقصد یہ ہے کہ کیا ہوا جو اس فانی دنیا کی چند روزہ خوشیاں میرے نصیب میں نہیں۔ اگلے جہان کا ابدی سرور ضرور ملے گا۔ جنت میں ایک سے بڑھ کر ایک جوان میری تمنا کرے گا۔ یہاں صادق ہدایت ناآسودہ خواہشات کو عبادت کا محرک بناتے ہوئے نظر آتا ہے۔ اور زندگی کی تلخیوں کے اجر میں جنت کی آسودگی کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اور موت کے تلخ جام کو خود فراموشی اور اذیت سے نجات کا ذریعہ جانتا ہے جس کو "آبجی خانم "اپنے لیے منتخب کرتی ہے۔ ایک طویل افسانے "زندہ بگور" کے عنوان سے ہی قنوطیت کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ وہ چیزوں اور واقعات کو فطری اور حقیقی انداز میں دیکھنے کا عادی ہے۔ اور خواتین کی نفسیات سے بھی گہری واقفیت رکھتا ہے۔ وہ شدید تنہائی کا شکار تھا اور انتہائی حساس ذہن کا مالک تھا۔ اس نے دکھ، تکالیف اور معاشرتی مسائل پر لکھا۔ وہ یہ خیال کرتا تھا کہ زندگی وسیع و عریض خلا ہے اور ہر انسان تنہا مسافر کی طرح سفر کر رہا ہے بظاہر اسے لگتا ہے کہ اس کے قریب آگے یا پیچھے کوئی اور بھی اسکے ساتھ محوِ سفر ہے مگر ہاتھ بڑھانے پر کوئی قریب نہیں ہے۔ سب واہمے میں بدل جاتا ہے۔ اس کے ناولوں میں "بوف کور" کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس پر ایک گھنٹہ کے دورانیے کی فلم بھی بنائی گئی۔ اس فلم میں ناول کی کہانی کی مناسبت سے اداسی، محرومی، مایوسی اور قتل کے گھمبیر احساسات کے ساتھ تنہائی کے سائے منڈلاتے نظر آتے ہیں جو دیکھنے والے پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

صادق ہدایت کا ایک بہت معروف افسانہ جس کو عالمی شہرت حاصل ہوئی وہ "سگِ دلگرد" ہے۔ اس افسانے کو تمثیلی افسانہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ صادق ہدایت کی افسانہ نگاری کی ایک خاص بات یہ بھی رہی ہے کہ اس نے انسانوں کے علاوہ جانوروں اور پرندوں کو بھی اپنے افسانوں کے مرکزی کرداروں کے طور پر لیا ہے تو "سگِ دلگرد" بھی ایسے ہی افسانوں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک انتہائی وفادار کتے کی کہانی ہے۔ یہ افسانہ رضا شاہ پہلوی کے عہد میں لکھا گیا جب اظہار پر پابندی تھی۔ اسی عہد میں نام ور ایرانی ادیب فرخی یزدی کو بھی ان پابندیوں کی وجہ سے کافی مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کا انجام بھی خودکشی پر ہوا تھا۔

تمام ادبا و شعرا پر ان پابندیوں کے شدید اثرات مرتب ہوئے اور شعری و نثری تخلیقات نے علامت اور تمثیل کا سہارا لیا۔ صادق ہدایت بھی ان میں سے ایک تھے۔ اور یہ افسانہ بھی اسی عہد کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ اس افسانے میں صادق ہدایت نے ایک کتے کے وفاداری اور محبت کے جذبات کو بڑی مہارت سے بیان کیا ہے۔ کتے کے اپنے مالک کے در سے دھتکارے

جانے کے بعد کے حالات کو بڑی باریک بینی سے افسانے میں پیش کیا گیا ہے اور ماضی کی آسودگی، محبت اور چھن جانے والی نعمتوں کا خیال اسے رہ رہ کر آنا، پھر بار بار مالک کے در پر آنا جس نے اسے ایک طبعی ضرورت پوری کرنے پر سزا کے طور پر گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ کتے کی آنکھوں میں اس کے جذبات کی جھلک، محرومی اور یاسیت کے سائے جو اسے آہستہ آہستہ موت کی طرف لے جارہے تھے۔ یوں لگتا ہے جیسے صادق ہدایت جانوروں کے ذریعے اس بے وفائی اور ٹھکرائے جانے کے احساسات کو بار بار دہراتے ہیں۔ڈاکٹر محمد کیومرثی اس افسانے پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہدایت کا ایک افسانہ "سگِ ولگرد" کے نام سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا اس افسانے میں انھوں نے زیادہ تر زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس افسانے میں وہ کتوں کی نگاہ سے انسانوں کی کتوں جیسی زندگی کو موضوع بناتے ہیں۔ جو دراصل انسانوں کی لالچ اور دھوکہ دینے والی زندگی سے بچ کر حیوانات کی زندگی میں سانس لینا چاہتے ہیں۔"(۱۳)

صادق ہدایت اپنی بات کو مختلف پیرائے میں بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ جب واضح بات کہنے اور کھلے لفظوں میں مافی الضمیر بیان کرنے پر پابندی تھی تو انھوں نے انسانی فطرت اور انسانی جذبات کو جانوروں اور پرندوں کی جبلتوں اور اطوار سے مماثل قرار دیتے ہوئے اظہار کی نئی راہیں دریافت کیں اور اظہار کے جدید افق پر اپنے قلم کو برش اور سوچوں کو رنگوں میں تبدیل کرتے ہوئے چھاگئے۔ انھوں نے فطرت سے قربتوں کے حوالے تلاش کیے، واقعیت نگاری میں وہ ویسے بھی کمال رکھتے تھے، استعارات و علامات سے گفتگو کا پیرایہ انھیں حاصل تھا، محاورات، اصطلاحات اور ضرب المثال کا استعمال وہ بخوبی جانتے تھے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوتی وہاں عوامی لب و لہجہ استعمال کرنے میں ذرا نہ ہچکچاتے جیسا کہ "حاجی مراد" اور "داش آقا" کے افسانوں میں نچلے طبقے کے نمائندہ کرداروں کی زبان کو بڑی سہولت اور روانی سے استعمال کیا اور گفتگو کے عام فہم سادہ انداز کو اپنایا۔ اسی لیے ان کا افسانہ بہت جلد مقبولیت کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ اپنے طبقے کی خامیوں اور برائیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور کبھی کبھی گہرے کاٹ دار طنز کے وار سے قاری کو چونکانے کا فن بھی جانتے تھے۔ حاجی کا لفظ انھوں نے اپنے کئی افسانوں کے کرداروں کے لیے استعمال کیا۔ "حاجی مراد" صادق ہدایت کا معروف افسانہ شمار ہوتا ہے جس میں ایک مرد اپنی احساسِ برتری کے ہاتھوں اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ اپنی حماقت کے ہاتھوں اپنا گھر برباد کر لیتا ہے۔ یہ ایک متوسط طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ جو عورت کو اپنی کنیز سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں دیتا۔ گھر میں اکثر لڑائی جھگڑا، مار کٹائی کی صورت حال رہتی ہے۔ جبکہ گھر سے باہر وہ بہت عزت دار انسان کہلواتا ہے جہاں سے گذرتا ہے لوگ حاجی صاحب! حاجی صاحب! کہہ کر پکارتے ہیں۔ جس پر وہ گوناں اطمینان محسوس کرتا ہے۔

ایک دن وہ بازار میں کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی سمجھ بیٹھتا ہے اور اسے پکڑ کر پیٹتا ہے کہ تو میری اجازت کے بنا گھر سے باہر کیوں نکلی اور کس سے ملنے گئی تھی۔ معاملہ پولیس تک جا پہنچتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ عورت کسی معروف سنار کی بیوی ہے۔ اس کو ہرجانہ اور سزا بھی ہو جاتی ہے اور وہ گھر پہنچتے ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اس افسانے کے ذریعے صادق ہدایت مرد کی زندگی کے کئی گوشے ہم پر وا کرتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ افسانے کے اچانک غیر متوقع انجام پر قاری بہت دل گرفتہ

ہو جاتا ہے۔ یوں اس افسانے کا انجام بھی قنوطیت اور اداسی پر ہوتا ہے جو صادق ہدایت کے مزاج کا خاصہ ہے۔ جب حاجی مراد اس عورت کا پیچھا کرتے ہوئے پکارتا ہے:

"بازار میں سب لوگ مجھے جانتے ہیں اس عورت نے مجھے سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہنے دیا۔ اپنی اس بے عزتی پر حاجی کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہونے لگی غصے میں آگے بڑھ کر اس نے عورت کو زور دار چانٹا رسید کیا۔ بے ادب! اپنی آواز تبدیل کرنے کی کوشش نہ کر میں نے تجھے پہچان لیا ہے، میں آج ہی تمھیں طلاق دے دوں گا۔ بے غیرت میں نے تجھ سے بیاہ کرکے خود سے بڑی بے انصافی کی ہے۔۔۔۔۔ بھائیو! تم گواہ رہنا میں نے اسی وقت اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے "(۱۴)

اگرچہ یہ افسانہ اپنے اسلوب، زبان اور صورت حال کے باعث کسی حد تک مضحکہ خیز انداز اختیار کر جاتا ہے اور بازار کی صورت حال کے باعث لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے مگر اچانک ایک سوگوار کر دینے والے اختتامیہ پر ایک الگ طرح کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب پولیس اہلکار حاجی مراد سے کہتے ہیں:

"کتنی عجیب بات ہے تم نے اپنی بیوی کی آواز کو بھی نہ پہچانا تو اس پر حاجی مراد کہتا ہے "کیا بتاؤں جناب! میری بیوی کیسی حرافہ ہے وہ ہر انسان، جانور کی بولی بول لیتی ہے۔ وہ ہر عورت کی طرح گفتگو کر سکتی ہے وہ ہر عورت کی چال چل سکتی ہے۔ "(۱۵)

صادق ہدایت انسانی نفسیات کا نباض ہے اور واقعات کے تسلسل میں تیکھے حقائق، تلخ جملے اور زندگی سے جڑے امکانات کو بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اکثر افسانوں کی طرح اس افسانے کے اختتام پر بھی قاری زندگی کی سفاک تصویروں کو دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ اسے مصنف سے اختلاف بھی نہیں اور انکار بھی نہیں ہو سکتا۔

وہ ایک حقیقت پسند افسانہ نگار تھا۔ اپنی منفرد فکری سطح کے ساتھ جیتے ہوئے وہ سمجھوتے کرنے کا عادی نہ تھا۔ نامطمئن رہتے ہوئے نا آسودہ موضوعات کو نزاکت سے برتنا اسے خوب آتا تھا۔ مجموعی طور پر اس کے دورِ حیات میں سیاسی حالات ناموافق تھے۔ دو عالمی جنگوں کے اثرات اس کے ذہن پر بہت گہرے تھے اور کروڑوں انسانوں کی موت کا احساس اس کے دل کو بوجھل رکھتا اور اپنی ذاتی زندگی میں کوئی ایسی دلچسپی کے محرکات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسی وجہ سے وہ نہ صرف موت کو سوچتا تھا بلکہ موت کی آرزو بھی کرتا تھا۔ یہ آرزو اتنی شدت اختیار کرتی چلی گئی کہ اس نے خودکشی کر لی۔

صادق ہدایت نے تاحیات نہ کوئی خاص ملازمت کی نہ کاروبار، جو جائیداد ان کو وراثت میں ملی تھی اس کو بھی زیادہ تر خیرات کر دیا تھا ان کی زندگی کا زیادہ وقت قہوہ خانوں اور شراب خانوں میں گذرا یا تنہائی کی نذر ہو گیا۔ یہی وجوہات تھیں جن کے باعث وہ خودکشی کی جانب مائل ہوئے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ خودکشی کے ویسے تو کئی محرکات ہو سکتے ہیں مگر ان میں مشترک محرکات تنہائی، مایوسی، عدم مطابقت، شدید دکھ یا تکلیف، معاشرتی یا نفسیاتی دباؤ، توہین یا نظر انداز ہونے کا احساس ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھنا شروع ہو جاتے ہیں کہ اب زندگی کے پاس ان کی خوشی کے لمحے ختم ہو چکے ہیں، اب جینے کی امید اور مواقع ختم ہو گئے

ہیں یا پھر شاید زندگی کے چہرے پہ اس قدر داغ لگ چکے ہیں کہ اس کی جانب دیکھنے سے مزید اذیت ملے گی اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے نزدیک موت اور زندگی کے مابین اب تمیز ممکن نہیں رہی لہذا اب اس طرف رہیں یا اُس طرف ایک ہی بات ہے۔

صادق ہدایت کے ہاں بھی زندگی اور موت کے مابین کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی، اپنی زندگی کے آخری چند برسوں میں اس نے تخلیقی کام بھی چھوڑ دیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ وہ اب زندگی سے اُکتا چکا ہے اس کی اس قنوطیت پسندی کے پیچھے زمانی و مکانی شورشوں کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ خودکشی کرنے والوں کی داخلی و خارجی زندگی کا پتہ چلانا ضروری ہوتا ہے کیوں کہ کچھ حساس افراد اپنے معاشرے کی فرسودگی کو رد کرنے کے پیغام کے طور پر بھی اپنی زندگی کو ختم کر لیتے ہیں ان کے بارے میں ظہور الدین احمد کا کہنا ہے:

"انسانوں سے بیزار ہو کر حیوانوں سے لو لگائی، گھر میں ایک بلی پال رکھی تھی اسی سے غایت محبت کرتے تھے، کھلاتے پلاتے باتیں کرتے تھے۔ وہ تنہائی میں ان کی مونس و غم گسار تھی ایک دن اتفاقاً وہ آئے تو گھر میں بلی نہ تھی، ہمسائیگی میں ایک نر کی آواز سن کر وہ نہ رہ سکی اور گھر چھوڑ کر چلی گئی جب لمبی غیر حاضری کے بعد واپس لوٹی تو صادق کو بہت غصہ آیا کہ یہ بھی بے وفا نکلی، پستول اٹھایا اور اسے وہیں ہلاک کر دیا"(۱۶)

ہمیں یاد ہے کہ ہم ایسا ہی واقعہ کم و بیش تبدیلی کے ساتھ ان کے معروف افسانے "تین قطرے خون" میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ وہ مایوس کن اور بیزار کُن زندگی گذارنے کے بعد موت سے ہاتھ ملانے چل دیے۔ صادق ہدایت نے اس سے قبل بھی دریا میں ڈوب کر اپنی جان لینے کی کوشش کی تھی مگر ان کی جان بچالی گئی تھی۔(۱۷)

موت کی خواہش کا اظہار انھوں نے اپنے افسانوں میں ہی نہیں کیا بلکہ بعض دوستوں کے سامنے بھی کیا۔ موت کے تصور میں انھیں خاص دلکشی محسوس ہوتی تھی انھوں نے اپنے ایک دوست پرویز نائل خانلری کی کتاب جو "عقاب" کے موضوع پر تھی کہا تھا کہ "انسان احمق ہے جو مرتے وقت کنبہ جمع کرتا ہے، حیوان کبھی ایسا نہیں کرتے۔ ان کو موت آتی ہے تو وہ جنگل کے کسی دور دراز گوشے میں نکل جاتے ہیں"(۱۸)

جس طرح پاکستان میں منٹو پر اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے میں فحاشی و عریانی پھیلانے کا الزام عائد کیا گیا اسی طرح ایران میں صادق ہدایت پر اپنی داستانوں کے ذریعے اخلاقی زوال، زندگی کی بے قدری، پژمردگی، افسردگی، مایوسی اور نہیلزم پر مبنی افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کا الزام لگایا گیا۔ دونوں افسانہ نگاروں کی نظر میں ادب تنقید حیات کا درجہ رکھتا تھا۔ اس لیے وہ معاشرے کے اچھے برے حالات کی حقیقی اور عینی تصویر پیش کرنے کو اپنا ادبی فریضہ سمجھتے تھے۔

نہیلزم اس کے ناولوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے جس کے اثرات فقط اس کی تحریروں تک محدود نہ رہے بلکہ خودکشی کے ذریعے اس کی اپنی زندگی کے خاتمے کا سبب بھی بنے۔ یہاں ان عوامل کا مختصر بیان مقصود ہے جن کی وجہ سے اسے فارسی ادب میں قنوطیت کے بانی کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ پہلا عامل گوشہ گیری اور تنہا پسندی تھی جس نے اسے سوشل لائف

سے دور کر دیا تھا۔ وہ اپنی شہرت سے دور بھاگتا تھا یہاں تک کہ زندگی کے آخری ایام میں کسی کو اپنی تصویر تک اتارنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

دنیا کے بارے میں شدید بدبینی اور بدگمانی تیسرا عامل تھا جو اسے قنوطیت کی جانب لے گیا اور جس کی جڑیں اس کی تحریروں میں بہت گہری ہیں۔ کائنات کی ہر چیز کے بارے میں بدگمان تھا یہاں تک کہ اپنے جیسے انسانوں کو بھی فریبی اور حقیر تصور کرتا تھا۔ زندگی اس کی نظر میں بے وقعت اور بے سود چیز تھی۔ ناول زندہ بگور بھی ایک ایرانی طالب علم کی داستان پر مبنی ہے جو زندگی کے جھمیلوں سے اکتا کر خودکشی میں راہ نجات پاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہدایت اپنے معاصر ادیبوں کے برعکس زندگی کا قصیدہ لکھنے کے بجائے اس کا نوحہ خوان نظر آتا ہے۔

عام تاثر یہی ہے کہ وہ ایران کے مخدوش حالات کے سبب قنوطیت کا شکار ہوا لیکن کچھ نقّاد اس تصور کو ردّ کرتے ہیں؛ ان کی نظر میں صادق ہدایت کی دنیا سے بے اعتنائی اور بدگمانی دراصل اس کے فلسفیانہ نکتہ نظر کی وجہ سے تھی۔ یعنی وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اس کائنات میں رہتے ہوئے انسان کے لئے راہ نجات موجود نہیں مگر یہ کہ وہ اس قید سے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔

> "یہ رائے بھی بعید از قیاس نہیں کہ دور جوانی میں یورپ کے سفر اور وہاں قیام نے ہدایت کے افکار پر گہرے نقوش مرتّب کیے ہوں۔ اس کی نظر میں مغربی تجدّد اور ایرانی روایت گرائی و قدامت پسندی کے مابین طولانی فاصلوں کی ایک دیوار حائل تھی۔ وہ ایرانی کلچر کو خرافات کا مجموعہ اور روایتی سماج کو زوال کا شکار گمان کرتا تھا۔ دوسری جانب اسے پہلوی دور آمریت میں معاشرتی اصلاح کی کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے صادق ہدایت قنوطیت کے راستے پر چل کر فارسی ادب میں نہیلزم کے علمبردار کے طور پر سامنے آیا۔"(۱۹)

عالمی ادب کے منظرنامے پر ایسے ادیبوں اور شاعروں کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جنھوں نے زندگی کی الجھنوں سے گھبرا کر خودکشی کے دامن میں پناہ لی۔ ان ادیبوں اور شاعروں میں سیفو، ارنسٹ ہیمنگوے، سلویا پلاتھ، این سیکسٹن، ورجینیا وولف، ایڈگر ایلن پو، مایا کوسکی، یوکیو مشیما، رضا کمال شہزاد، صادق ہدایت اور فرخی یزدی کے نام سرفہرست ہیں۔

"اردو ادب کے منظرنامے پر بھی ایسے کئی شاعروں اور ادیبوں کے نام نظر آتے ہیں جنھوں نے زندگی کے بکھیڑے سے موت کے دامن میں پناہ لینے کو ترجیح دی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ تمام ادیب اور شاعر اس وقت اپنی شہرت کے عروج پر تھے اور ان سب کی عمر ۲۵ سے ۵۰ سال کے درمیان تھی۔ ان میں دو ایک ایسے ادیب بھی ہیں جن کی خودکشی کے بارے میں تو کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا مگر وہ خودکشی کا رجحان رکھتے تھے اور ایک دن ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا کچھ اتا پتا نہ ملا۔ ان میں شمس آغا اور شبیر شاہد کے نام سرفہرست ہیں۔"(۲۰)

صادق ہدایت بھی اس لمحے کی زد میں آ گیا، خود کشی کر لی اور زندگی کی بے معنویت کے صفحے پر ایک سوالیہ نشان چھوڑ گیا۔ اس کے متذکرہ بالا افسانوں میں صادق ہدایت نے ایسے کرداروں کی نشان دہی کی ہے جو مایوسی و نامرادی جیسی کیفیات کے زیرِ اثر موت کی خواہش کرتے ہیں یا موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ مصنف کے اندر موت کے موضوع سے دلچسپی کے عناصر یا کہانی کا ناخوشگوار انجام جیسے رجحان کا واضح طور پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

## حواشی و حوالہ جات


۱۔ شہناز اختر ظہور، اردو میں فارسی افسانوں کے تراجم (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، مقالہ برائے ایم فل اردو) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۴۳

۲۔ مرزا ادیب، دیباچہ، سگِ آوارہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۹

۳۔ بذل حق محمود، (مترجم) سگِ آوارہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۷

۴۔ مجتبیٰ مینوی، یاد بود ھای فن از صادق ہدایت، بحوالہ از کاروان مجلہ، ص ۳۸۵

۵۔ بذل حق محمود، مضامینِ بذل حق، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۷

۶۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Suicide

۷۔ انعام الحق سحری، خود کشی (ایک مطالعہ) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۶۵

۸۔ بذل حق محمود، (مترجم)، داش آکل، مشمولہ سگِ آوارہ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۳۸

۹۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۰۔ مرزا ادیب، دیباچہ، سگِ آوارہ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۹

۱۱۔ بذل حق محمود، (مترجم)، سہ قطرہء خون، مشمولہ سگِ آوارہ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۴

۱۳۔ محمد کیومرثی، ڈاکٹر، اردو فارسی افسانہ، شاہ عبد الطیف یونیورسٹی خیر پور، ۲۰۱۰ء، ص ۹۷

۱۴۔ سہ ماہی ادبیات، بین الاقوامی ادب نمبر ۲، جلد نمبر ۹، شمارہ ۳۷، ۳۸، ۱۹۹۶ء، اسلام آباد، ص ۴۱، ۴۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۱، ۴۲

۱۶۔ ظہور الدین احمد، نیا ایرانی ادب، ضیائے ادب لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۸۳

۱۷۔ شہناز اختر ظہور، اردو میں فارسی افسانوں کے تراجم (تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، مقالہ برائے ایم فل اردو) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۴۶

۱۸۔ بذل حق محمود، مضامینِ بذل حق، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۷

۱۹۔ قسور عباس خان، صادق ہدایت افسانوی کرداروں کی موت سے اپنی خود کشی تک، ویب سائیٹ، ہم سب ۲۰۱۹، ص ۱، ۲

۲۰۔ عقیل عباس جعفری، محقق و مورخ، کراچی، بی بی سی نیوز اردو ۲۰۲۱ء

## References in Roman Script:


1. Shehnaz Akhtar Zahoor, Farsi main Urdu afsanon kay trajam,(tajziyati mutalia braey M.Phil urdu) National university of modern Languages Islamabad, 2006,p43
2. Mirza Adeeb, debacha, Sag-e-Awara,Sang-e-meel publications Lahore,2001,p9
3. Bazl Haq Mehmood,(muterjam)Sag-e-Awara, Sang-e-meel publications Lahore,2001,p137
4. Mujtaba Meinvi,yad bohai fun az Sadiq Hidayat,bahawala az Karwan mojala,p385
5. Bazl Haq Mehmood,(muterjam)Sag-e-Awara, Sang-e-meel publications Lahore,2001,p137
6. https://en.wikipedia.org/wiki/Suicide
7. Inam-ul-Haq sehri, khudkushi(aik mutalia),Sang-e-meel publications, Lahore, 1998, p265
8. Bazl Haq Mehmood,(muterjam),Dash Aakal,mashmoola Sag-e-eAwara, Sang-e-meel publications Lahore,2001,p38
9. Ibid,Page,48
10. Mirza Adeeb, debacha, Sag-e-Awara,Sang-e-meel publications Lahore,2001,p9
11. Bazl Haq Mehmood,(muterjam),She Qatra-e-khoon,mashmoola Sag-e-eAwara, Sang-e-meel publications Lahore,2001,p139
12. Ibid, p54
13. Muhammad Kiyu Marsi, Doctor,Urdu Farsi afsana,Shah Abdul Latif University Khairpur,2010,p97
14. Seh Mahi Adbiyat,Bain ul Aqwami Adab number2.jild 9, shumara37,38,Islamabad,1996,p41,42
15. Ibid,page,42
16. Zahoor u Din Ahmad, nya Irani adab, ziyaey adab Lahore,1990,p 383
17. Shehnaz Akhtar Zahoor, Farsi main Urdu afsanon kay trajam,(tajziyati mutalia braey M.Phil urdu) National university of modern Languages Islamabad, 2006,p43
18. Bazl Haq Mehmood, Mzameen e Bazl Haq, Sang e meel Publications, Lahore,2001, p137
19. Qsoor Abbas Khan , Sadiq hadaayat afsanwi krdaron ki mout se apni khudkushi tak, Website, hum sab 2019, s 1, 2
20. Aqeel Abbas Jafferi , Muhaqiq o Morak, Karachi , BBC news urdu 2021